خاتمۂ بحث

قرآنِ عظیم کے نزول کے بعد دنیا پھر ویسی نہ رہی جیسی کہ اس سے پہلے تھی۔ نزولِ کتاب پر ابھی چند دہائیاں بھی نہ گزری تھیں کہ دنیا ایک غلغلہ انگیز تقلیبِ فکر ونظر کی آماجگاہ بن گئی۔ قرآنی دائرۂ فکر میں اگر مسلم ذہن کا سفر اسی طرح جاری رہتا تو آج تمام اقوامِ عالم خود کو ایک بہشتِ ارضی کے جلو میں پاتے اور حاملین کتاب کی حیثیت سے ہماری فضیلت کے چرچے عام ہوتے۔ لیکن ہوا یہ کہ ابھی یہ قافلہ متعینہ خطوط پر کچھ دور ہی آگے بڑھا تھا کہ وہ حوادث کا شکار ہو گیا۔ اس قسم کے بحران کا پیدا ہونا کوئی ایسا بڑا اعجوبہ اور لاینحل وقوعہ نہ تھا جس کے تدارک کی سبیل خود اس کتاب میں نہ بتائی گئی ہو۔ لیکن بدقسمتی سے منہجِ علمی کے پیدا کردہ التباسات نے ہمیں اس کتاب ہدایت سے روکے رکھا۔ یعنی روشنی سے تاریکی کے اس سفر میں ہم نے اس مشعل کے روشن کرنے میں تساہلِ مجرمانہ سے کام لیا جو خدا نے ہمارے ہاتھوں میں تھما دی تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی غلطی تو یہ ہوئی کہ ہم نے مکمل کتاب ہدایت کو اپنا منشورِ عمل بنانے کے بجائے اسے شرعی اور غیر شرعی خانوں میں بانٹ ڈالا۔ ہماری فکری تگ وتاز کا محور آیاتِ احکام کی فقہی موشگافیاں اور ان کے متعلقات رہے جس نے عملاً مکمل قرآن مجید سے ہمیں مہجوری میں مبتلا کر دیا۔

التباسات سے مزید التباسات جنم لیتے ہیں۔ کتابِ ھدیٰ ونور کو آیاتِ احکام قرار دینے کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ دینِ مبین میں طبقہ احبار کا ظہور ہوا بلکہ آنے والے دنوں میں ہم علم کی ثنویت کے قائل ہو گئے۔ شرعی اور دنیاوی علوم کی اس تقسیم نے ہمارے اندر قرآن مجید کی دعوتِ اکتشاف کے سلسلے میں ایک عمومی بے اعتنائی کو جنم دیا۔ تسخیر واکتشاف کا وہ سفر جو قرآن مجید کے نزول سے شروع ہوا تھا ہماری عدم توجہی کے سبب مست خرامی کا شکار ہو

گیا۔ صاف محسوس ہوتا تھا گویا ہم غور وفکر، تدبر وتفکر اور تسخیر واکتشاف سے منھ موڑ کر منصبِ سیادت سے اپنے انخلاء کی راہ ہموار کر رہے ہوں۔ قدیم توہمات نے، جن کے خاتمے کے لیے اسلام آیا تھا، نے رفتہ رفتہ مسلم فکر کے عین محور میں کچھ اس طرح اپنی جگہ بنالی کہ آنے والے دنوں میں قرآنی نقوش، قوارع القرآن، جھاڑ پھونک، وفق و نقوش، بدروحوں سے نجات اور جنوں کے نکالنے کا کام ثقہ اور مستند علماء کے ہاتھوں انجام پانے لگا۔ تشریح وتعبیر پر ایک طبقۂ خاص کی اجارہ داری قائم ہو جانے کے سبب عام اہل ایمان کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ شیخ الاسلام کے راسخ العقیدہ اسلام کا قرآن مجید اور رسولؐ کی سنت ثابتہ کی روشنی میں کوئی آزادنہ تحلیل وتجزیہ کرتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اساطیری طرزِ فکر کی مزاحمت نے تسخیر واکتشاف کے قرآنی سفر کی راہ بالآخر مسدود کر دی۔

قدماء اس بات سے یکسر ناواقف نہ تھے کہ ہمارا فکری قافلہ متعینہ راہوں سے دور جا پڑا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کی اجتہادی کاوشیں ہوں یا مامون اور متوکل کے اصلاحی اقدامات یا خلافت فاطمیہ کے داعیوں کے بیان کردہ مقاصد، ان سبھوں کو اصلاح احوال کی کوششوں کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ مشکل یہ ہوئی کہ مسلمانوں کی تلواریں جب ایک بار باہمی خانہ جنگیوں میں بے نیام ہوگئیں تو ہر فریق کے لیے اپنے موقف کو احق ثابت کرنا اس کی نظری ضرورت بن گیا۔ اس صورت حال نے آثار وروایات کے دفتر کو ایک ایسے خلفشار سے دوچار کر دیا جس کی مضرت رسانی مسلسل بڑھتی گئی۔ سیاسی اختلاف نے نظری اور فکری اختلاف کا رنگ اختیار کیا اور اس طرح ابھی نزول وحی کو تین صدیاں ہی گزری تھیں کہ رسالۂ محمدی کا متحدہ قالب انتشار کا شکار ہوگیا۔ شیعہ، سنّی، اباضی، اسمٰعیلی اور پھر ان فرقوں کے اندر نہ جانے کتنے چھوٹے بڑے فرقے پیدا ہو گئے۔ آج اس داخلی انتشار پر صدیاں گزر جانے کے بعد ہر فرقے کو ایک مستقل دین کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ ایک کا دین دوسرے کے لیے قابل قبول نہیں۔ ایسی صورت میں امت مسلمہ اقوام عالم کی سیادت کا خواب تو کیا دیکھے وہ خود اپنی تعمیرِ نو کی ہمت بھی نہیں پاتی۔ ایک دائمی نظری تضاد ہماری ملی زندگی کا مستقل حصّہ بن چکا ہے۔ صدیاں گزر جانے کے بعد اب یہ سب کچھ معمول کا عمل لگتا ہے جس سے نجات کی بابت سوچنا بھی ہم اب وقت اور قوت کا زیاں سمجھتے ہیں۔ چونکہ ہم ایک دائمی انتشار اور دائمی تضاد سے دوچار ہیں اس لیے عالمی سیادت جیسا کوئی بڑا خواب ہماری آرزوؤں کا حصّہ نہیں بن پاتا۔ کہنے کو تو متبعینِ محمدؐ مہذب دنیا کے جغرافیہ پر غیر معمولی طور پر نمایاں دکھائی دیتے ہیں جن کی زمینیں فطری وسائل سے مالا مال ہیں لیکن عملاً ہماری حیثیت ایسے متضاد عناصر اور متحارب گروپوں کی ہے جو ہر لحہ ایک دوسرے کے خلاف باہم برسرِ پیکار ہیں۔ اہل تشیع کم از کم تین مختلف گروہوں؛ زیدی، اثنا عشری اور اسمٰعیلی میں منقسم ہیں۔ ادھر اہل سنت والجماعت جنھیں اسلام کے متحدہ قالب کی علمبرداری کا دعویٰ ہے چار مستقل فقہی گروہوں میں بٹ کر رہ گئے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک حلقہ ان اباضی مسلمانوں کا ہے جو دوسروں کی نظر میں خوارج اور خود اپنی نظر میں اہل العدل والاستقامہ ہیں۔ موالک اگر شمالی ومغربی افریقہ اور خلیج کے بعض ممالک میں بااثر ہیں تو شوافع کو مصر، شام، مشرقی افریقہ، جنوبی عرب، جنوبی ہند اور ملیشیا میں سبقت حاصل ہے۔ حنابلہ کو اگر سعودی حکومت کی پشت پناہی حاصل ہے تو احناف کو عراق، ترکی، وسط ایشیا، شمالی ہندوستان اور چین میں سبقت حاصل ہے۔ اگر اثناعشری شیعوں کو ایرانی ریاست کا کنٹرول حاصل ہے اور ان کا حلقۂ اثر عراق، خلیجی ممالک، افغانستان اور برصغیر ہندو پاک تک پھیلا ہوا ہے تو زیدی یمن میں اور اسمٰعیلی شمالی افریقہ، برصغیر ہندو پاک کے علاوہ بلادِ غرب میں اپنی سرگرمیوں کا مسلسل احساس دلاتے رہتے ہیں۔ ادھر سلطنت عمان پر اباضی قابض ہیں۔ الجزائر اور تیونس میں بھی ان کی آبادیاں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ علوی، دروزی، نصیری، بہائی، قادیانی اور ان جیسے چھوٹے بڑے طائفے عالم اسلام کے مختلف حصّوں میں اپنے وجود کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔ یہ سب وہ فرقے ہیں جو ہمارے فکری سفر میں تاریخ کے مختلف ادوار میں ہمارا ساتھ چھوڑ گئے۔ لیکن اس کے باوجود ہم میں اور ان میں اب بھی بہت سی ثقافتی اور نظری مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ قادیانی تو اب تک اسلام پر اپنے دعویٰ سے پوری طرح دستبردار بھی نہیں ہوئے ہیں۔ اس امت منتشرہ کو ایک بار پھر بنیان مرصوص میں تبدیل کرنا تاریخ کی درستگی کے لیے اٹھایا جانے والا پہلا اور ناگزیر قدم ہوگا۔ جب تک خود ہمارا گھر درست نہ ہو، ہم من حیث الامت سیادت عالم کی بات کیسے سوچ سکتے ہیں؟ یہ تمام مذاہب اور تمام فرقے نزول وحی کے تین سو برس بعد کی پیداوار ہیں، جن کے موجودہ شکل میں متشخص ہونے میں کوئی ہزار سال کا عرصہ صرف ہوا ہے۔ رسالۂ محمدی کے اصل الاصل اور متحدہ قالب کی تلاش کے لیے اس کے علاوہ اور کیا طریقہ ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے ہزار سالہ فکری سفر کی بساط لپیٹنے پر آمادہ ہوں۔ اگر ان فرقوں اور مسلکوں کی پیدائش سے پہلے متبعینِ محمدؐ کے لیے ممکن تھا کہ وہ عبودیت کاملہ کی زندگی گزار سکیں تو ہمارے لیے آخر یہ کیوں ممکن نہیں کہ ہم ان مسالک اور مذاہب کے بغیر اسلام کے متحدہ اور منزّلہ قالب کا لطف لے سکیں؟

اسلام کے وہ تمام قالب جو قرآن مجید کے علاوہ دوسرے ثانوی، تاریخی، ظنّی اور تعبیری ذرائع سے غذا حاصل کرتے ہیں، ان کی تعمیر وترتیب بڑی حد تک دانشِ انسانی کی رہینِ منت ہیں۔ ائمہ فقہائے اربعہ کی مقبولیت ہو یا ائمہ آلِ بیت کی معصومیت کے دعوے، یہ سب ہم جیسے انسانوں کے اجتہادات ہیں۔ یہ ایک مخصوص عہد کا فیصلہ ہے، خدا کی آواز نہیں۔ فقہائے محدثین کے دواوین ہوں یا علمائے اہل الرائے کے اجتہادات، تاریخ وآثار کی کتابیں ہوں یا تعبیر وتصوف کی نکتہ آفرینیاں، یہ تمام کتابیں اپنی تمام تر جلالت علمی کے باوجود انسانی التباسات سے مملو ہیں۔ نہ تو علمائے فقہ آسمان سے نازل ہوئے ہیں اور نہ ہی اہل کشف کی روحانی سیادت پر شرع سے کوئی دلیل

لانا ممکن ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسلام جن انسانی مداخلات کے بغیر متصور ہوسکتا ہو انھیں لازماً اس راستے کا سنگ میل قرار دیا جائے۔

قرآن مجید ہدایت کا ابدی سرچشمہ ہے۔ بدقسمتی سے اب تک قرآن مجید کا ہر مطالعہ ثانوی مآخذ کی روشنی میں کچھ اس طرح کیا جاتا رہا ہے کہ ان مآخذ کو فہمِ قرآن کی کلید کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ قرآن کی روشنی میں ثانوی اور ذیلی مآخذ کا محاکمہ کیا جاتا اور پھر جن باتوں پر قرآن کی شہادت قائم ہوتی انھیں قبول کیا جاتا اور جو باتیں قرآنی تصورِ حیات سے میل نہ کھاتیں انھیں بلا تردد مسترد کر دیا جاتا۔ لیکن عملاً ہوا یہ کہ ہم ان روایتوں پر بھی ایمان لے آئے جو متنِ قرآن پر شبہات وارد کرتی تھیں، جو تخصیص کے ساتھ یہ بتاتی تھیں کہ فلاں آیت اب منسوخ و متروک ہے اور فلاں آیت کا حکم متن کی عدم شمولیت کے باوجود اب بھی باقی ہے اور یہ کہ قرآن مجید کی فلاں فلاں آیات بعض اصحاب نبیؐ کے نسخوں میں یوں اور یوں پائی جاتی تھیں۔ مطالعۂ قرآن کے اس شرانگیز منہج نے، جسے آثار و روایات اور فرقہ بندی کی حمایت حاصل تھی، ہمیں وحیِ ربّانی کے چشمۂ صافی سے رفتہ رفتہ اتنا دور کر دیا کہ ہم ایک راست تخلیقی مطالعہ کی ہمت کھو بیٹھے۔ صدیوں سے حاملینِ قرآن اس التباسِ فکری کا شکار ہیں کہ متقدمین کے تعبیری، تفسیری، فقہی اور آثاری ادب کے بغیر قرآن مجید کا مستند اور معتبر فہم حاصل نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ قرآن مجید کی نظری حیثیت اس سے کہیں بلند ہے کہ انسانی عقل و دانش اس کے معانی پر فیصلہ دے یا اس کے معانی کا حتمی تعین کرے۔ سچ تو یہ ہے کہ قرآن مجید تعبیری ادب کے بغیر سمجھا جا سکتا ہے جبکہ تعبیر و تفسیر اور فقہ و آثار کے یہ ذخیرے قرآن مجید کے بغیر اپنی معنویت کھو دیتے ہیں۔ تعبیر کو تنزیل کے پیچھے چلنا چاہیے، اس کا یہ مقام نہیں کہ وہ تنزیل کی کمان اپنے ہاتھوں میں لے لے۔

قرآن مجید خدا کا ایک ایسا لازوال عطیہ ہے جس پر ابد تک تمام انسانی نسلوں کا یکساں حق ہے۔ یہ ایک ایسی روشنی ہے جس سے تاریخ کے آخری لمحہ تک اقوامِ عالم کی رہنمائی کا کام لیا جانا ہے۔ خدا جس طرح اس کتاب کے ذریعہ عہدِ رسولؐ کے انسانوں سے کلام کرتا تھا اسی طرح آج بھی ہم جیسے تہی حال انسانوں سے مخاطب ہے۔ بلکہ غیابِ ذاتِ ختمی رسالت میں کتاب کی اہمیت پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے۔ ایسی صورت میں کتاب سے بے اعتنائی اور تعبیری ادب پر انحصار تباہ کن نتائج کو ہی جنم دے سکتا ہے، جس کے مظاہر پر ہماری صدیوں کی تاریخ شاہد ہے۔ جو لوگ متوارث اسلام میں انبیائی آواز کے متلاشی ہیں انھیں یہ جان لینا چاہیے کہ تاریخی اسلام میں انھیں التباساتِ فقہی کی گونج، اساطیری تفسیری حکایات اور منہجِ کلامی کی بازگشت کے علاوہ اور کچھ نہ ملے گا۔ خدائی آواز کے متلاشیوں کو راست اکتساب کا جوکھم مول لینا ہوگا کہ شیخ الاسلام کا سرکاری اسلام فی نفسہ ایک انحراف کا پیدا

کردہ فریبِ نظر ہے۔ اسلام تو شیخ الاسلام یا احبارِ دین کی بساط لپیٹنے آیا تھا، اس کی دعوت اصر واغلال سے نجات کی دعوت تھی، جہاں بندے اور خدا کے درمیان تمام انسانی واسطے اپنا اعتبار کھو دیتے ہوں۔ لہٰذا ایک نئی ابتداء کے لیے ادارۂ احبار کا خاتمہ ضروری ہوگا تا کہ خدا کے آزاد بندے اپنی توفیق بھر خدا کی اس نعمت سے اپنا حصّہ حاصل کرسکیں۔

مسلم ذہن صدیوں سے تضاد وتشتتِ فکری کی آماجگاہ ہے۔ آیاتِ اکتشاف سے ہماری مہجوری نے ہمارے اندرون میں ایک ایسی ثنویت کو جنم دیا ہے جس سے نجات کی ہر خواہش، ایسا محسوس ہوتا ہے، تاریخی اسلام کی بساط ہی لپیٹ کر رکھ دے گی۔ حیص بیص کی اس عمومی فضا میں بہتوں کے لیے ایک منافقانہ پارسائی آخری پناہ گاہ بن گئی ہے۔ وہ امت جسے شمس وقمر کی گردش میں عدد السنین والحساب پر مطلع کیا گیا تھا، اس کے علمائے شرع رویتِ ہلال کی عینی شہادت پر تو آج بھی مصر ہیں جب کہ اوقاتِ سحر وافطار یا اوقاتِ صلوٰۃ کی تخصیص اور سمتِ قبلہ کے تعین میں وہ جدید آلات وتقویم کو برضا ورغبت قبول کئے لیتے ہیں۔ مذہبی ذہن کا یہ تضاد جو کہیں حیلِ فقہی کی شکل اختیار کرتا ہے اور کہیں اختلافِ امت کو رحمت قرار دینے کا سبب ہوا ہے، جس کے ذریعہ اس نقطۂ نظر کے مطابق امت کے لیے متبادل راستے کی گنجائش پیدا ہوتی ہے، ایک نئی ابتداء میں مسلسل مزاحم ہوتا رہا ہے۔

آج متبعینِ محمدؐ ماضی کے مقابلے میں کہیں بڑے چیلنج سے دو چار ہیں۔ اگر ایک طرف انھیں اپنے داخلی انتشار اور ذہنی تضاد کو دورنِ خانہ مکالمے کے ذریعے حل کرنا ہے تو دوسری طرف وحی ربّانی سے راست اکتساب کی دعوت بھی کچھ کم اندیشیوں کی حامل نہیں۔ اس پر طرفہ یہ کہ تاریخ کے انحراف کے نتیجے میں اقوامِ عالم آج جن فتنہ خیز مسائل سے دو چار ہیں، انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ماحولیات کی تباہی، بحر وبر اور زیر زمین مسلسل بڑھتی آلودگی، زرِ خالص کا ظہور اور ایک معاشی نظامِ جبر میں ٹیکس کے جبری قوانین کے ذریعہ فرد کی آزادی جس طرح آج سلب ہوگئی ہے ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ تابوت میں آخری کیل نظامِ تعلیم اور ذرائع ابلاغ کا پیدا کردہ ہنگامۂ ہاؤ ہو ہے جس نے ہمارے قلب ونظر پر کچھ اس طرح پہرہ بٹھایا ہے کہ ہم چیزوں کو اس کی اصل ماہیت میں دیکھنے کے اہل بھی نہیں رہ گئے ہیں۔ تاریخ کے اس عالمِ سکرات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ متبعینِ محمدؐ اسلام کے اصل الاصل قالب کو دوبارہ دنیا کے سامنے منکشف کریں۔ ایک ایسا اسلام جس میں رحمت ونجات کا مژدۂ جانفزا ہو اور جس پر کسی قومی، لسانی، نسلی اور جغرافیائی تسلط کا شائبہ بھی نہ پایا جاتا ہو۔

ایک ایسے اسلام کی بازیافت جس سے آپؐ کی رحمۃ للعالمینی عبارت ہے، فی نفسہٖ ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ جو تقریباً اسی غلغلہ انگیز کیفیت کو جنم دے گی جو کسی نئے نبی کی آمد پر ہوا کرتی ہے۔ وحیٔ ربّانی کی یہی وہ نظری حیثیت ہے جس سے غیابِ پیمبری میں متبعینِ محمد کو کام لینا ہے۔ البتہ وحی کے چشمۂ صافی سے راست اکتساب کے لیے

صرف سابقہ منہج کی بساط لپیٹنے سے کام نہ چلے گا بلکہ ایک ایسے متبادل منہج کی داغ بیل ڈالنی ہوگی جہاں الفاظ تحدیدِ معانی کے بجائے تلقین وتبشیر کا فریضہ ادا کرتے ہوں۔ الفاظ کو commanding tool کی حیثیت حاصل نہ ہو اور نہ ہی ان کے دم پر غور وفکر کا انحصار ہو۔ گویا تعبیر وتاویل کا ایک ایسا متبادل نظام تشکیل پائے جہاں ماورائے الفاظ بھی پڑھنے والے کے لیے بہت کچھ موجود ہو۔ اس منہج کی وضاحت اور اس کی شہادت کے لیے قرآن مجید کے پیرائیہ قصص سے کام لیا جا سکتا ہے جہاں قصص وحکایات اور تمثیل کے پیرائے میں ان حقائق ومعارف کو بیان کیا گیا ہے جس کے بیان کی تاب سیدھے سادے لفظی بیانیہ میں نہ تھی۔ خدا، آخرت، ابدیت اور ان جیسے تمام امور الفاظ کی تنگ دامانی سے ماوراء قاری کے دل ودماغ پر ایک ناقابل بیان تاثر ثبت کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے حقیقت اسے قریب سے چھوکر گزری ہو۔ اس کے حواس لذت آشنا ضرور ہوں لیکن بیان میں لائیے تو ایسا لگتا ہے جیسے وہی حقیقت اس کے ہاتھ میں آتے آتے پھسل جاتی ہو۔ الفاظ کی سطح پر دیکھیے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ تاریک یا روشن، چھوٹا یا بڑا، جنت یا جہنم، ابد یا ازل محض عبوری حقیقتیں ہیں۔ ابدی اور لازوال حقیقت (absolute truth) تو صرف خدا کی ذات ہے۔ ایک ایسے منہج کی تشکیل جہاں الفاظ معانی کو روشن کرتے ہوں اس کی تحدید نہیں کرتے، اپنے اندر اس امکان کا حامل ہے کہ وہ الفاظ سے ماوراء بھی غایتِ متن کا ادراک کر سکے۔ اس نئے منہج علمی کی تشکیل میں رہنمائی باہر سے نہیں بلکہ اندر سے آئے گی۔ قرآنی اسالیب سے اس نئے ڈسپلن کے بنیادی خدوخال کی تشکیل کا کام لیا جانا چاہیے۔ ایک نئے episteme کی تشکیل کے بغیر نئی تہذیب کی بنا نہیں ڈالی جا سکتی۔

تسخیر واکتشاف قیادت کا استوانہ ہے۔ امینِ کائنات کی حیثیت سے ہم جب تک اس محاذ پر سرگرم رہے ہماری ملی زندگی صدائے کن فیکون سے عبارت رہی۔ ہم اس اعتماد سے سرشار رہے کہ خدا نے تاریخ کی لگام آخری لمحہ تک کے لیے اب ہمارے ہاتھوں میں تھما دی ہے۔ اس غیر معمولی اعتماد نے ہمیں قلتِ تعداد کے باوجود ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ تب ہم اصحاب یقین کہلاتے جس کے دم سے کتابِ ہدیٰ اور کتابِ فطرت کا نامحسوس توازن قائم تھا۔ اکتشافی طرزِ فکر سے اساطیری طرزِ فکر کا یہ سفر بالآخر ہمیں ایک ایسے مقام پر لے آیا جہاں تاریخ کی لگام ہمارے ہاتھوں سے پھسل گئی۔ لیکن چونکہ تہذیب کی ہیئت اب بدل چکی تھی، غور وفکر کا منہج تبدیل ہو چکا تھا، سو ہماری مست خرامی کے سبب تحریکِ اکتشاف ہجرت پر مجبور ہوئی۔ تب سے اب تک انسانی تہذیب کا نمو وارتقاء بے سمتی کا شکار ہے۔ یہاں تک کہ آج اکیسویں صدی کی ابتداء میں صاف محسوس ہوتا ہے کہ سرمایہ داری کے طوفانِ بلاخیز نے کاروانِ انسانی کی سمت یکسر گم کر دی ہو۔ سرمایہ داری صرف فطرت کی تباہی کا موجب نہیں ہوئی بلکہ اس نے غربت وافلاس اور بھک مری کو اتنے بڑے پیمانے پر جنم دیا ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں اس سے پہلے نہیں ملتی۔

امریکی صارفی ماڈل ایک ایسی ڈسٹ بن ثقافت سے عبارت ہے جہاں تمام اعلیٰ اخلاقی قدریں، انسانی اور فطری وسائل، استعمال کے بجائے استحصال کے بعد اس میں پھینک دی گئی ہوں۔ منصبِ سیادت سے ہماری صدیوں کی مہجوری نے مسائل کا ایک کوہ گراں بار جمع کر دیا ہے۔ متبعینِ محمد کو آج صرف اپنے گھر کی درستگی پر اکتفا نہیں کرنا ہے بلکہ اس قرآنی دائرۂ فکر کی از سرِ نو تشکیل کرنی ہے جو اگر ایک طرف تسخیر و اکتشاف کی رستاخیزیوں کو مہمیز کرے تو دوسری طرف یہ بھی بتائے کہ موجودہ محبوس اور جابرانہ سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں اس کے پاس اگر کوئی واقعی عملی متبادل ہے تو وہ کیا؟

نقشہ جات اور جدولیں

دنیا ظہور اسلام سے پہلے
0
500
1000
miles
WESTERN TURKS
Khwarazm
R. Oxus
Soghdians
Samarqand
Kashgar
Hepthalites
Merv
Balkh
Khurasan
Nishapur
Phasis
Trapezus
Armenia
Caesarea
Nisibis
Edessa
Antioch
Syria
Ghassanids
Media
Rayy
SASANIAN EMPIRE
Circesium
Ctesiphon
Ghazni
Sakastan
Lakhmids
Apologus
Fars
Istakhr
Kirman
Multan
Aila
Tabuk
The Gulf
Hijaz
Medina
Yamâma
Daybul
Oman
Ra's al-Hadd
Mecca
Ta'if
Sarat
Empty Quarter
Red Sea
Himyar
Mârib
Yemen
Arabian Sea

N
W
E
S
Anglo-
Saxons
FRANKS
R. Danube
AVARS
Lombards
Ravenna
Massilia
Rome
Constantinople
VISIGOTHS
Toledo
BYZANTIN
Anatoli
Ephesus
Carthage
Sicily
Tangier
Africa
Proconsularis
Byzacena
Mauretania
EMPIRE
Tripoli
Barca
Cyrenaica
Alexandria
Babylon
Egypt
Gaza
Sahara

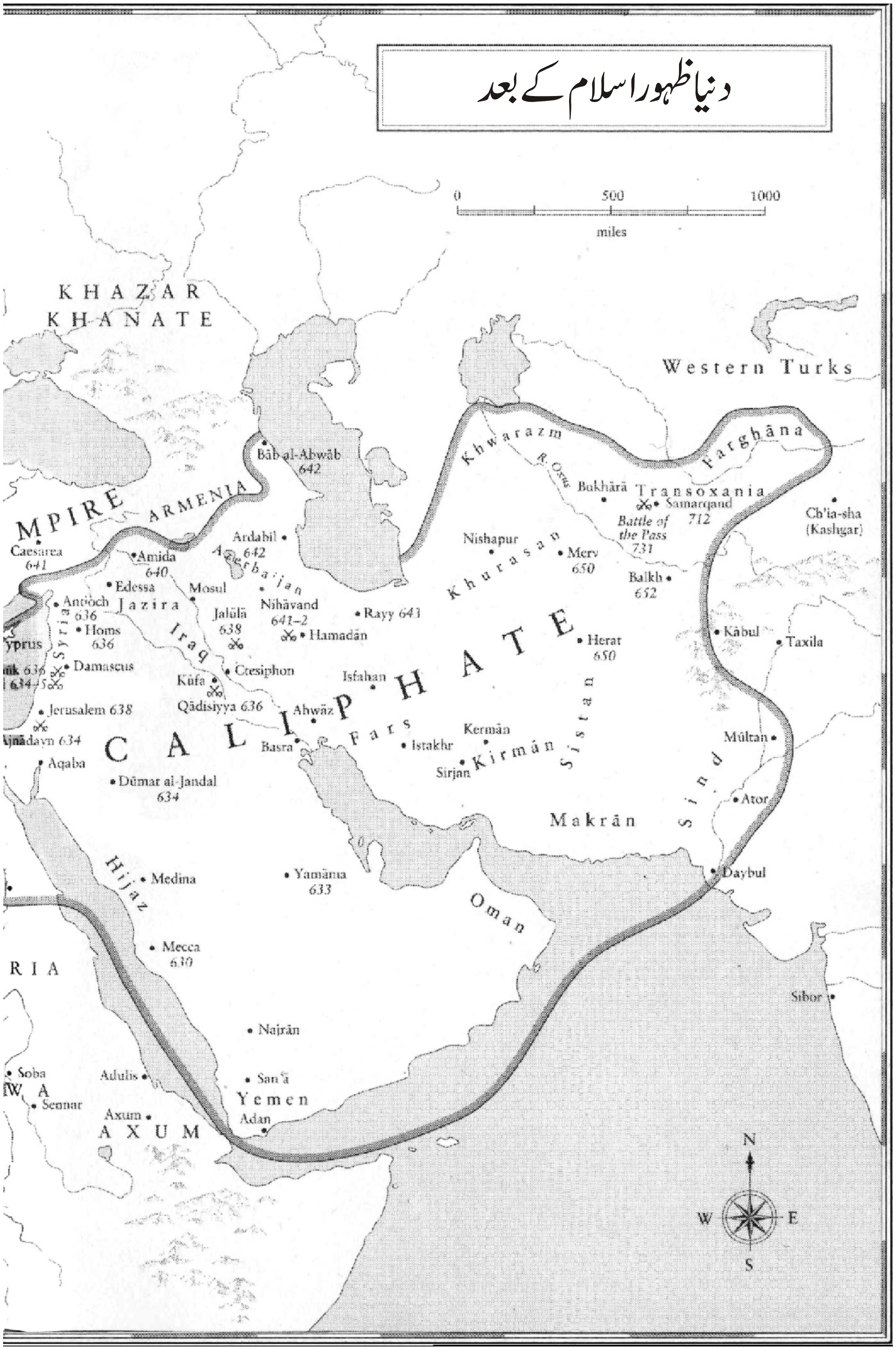

دنیا ظہور اسلام کے بعد
0
500
1000
miles
KHAZAR
KHANATE
Western Turks
Bāb al-Abwāb
642
Khwarazm
R. Oxus
Farghāna
Bukhārā
Transoxania
Samarqand
712
Battle of
the Pass
731
Ch'ia-sha
(Kashgar)
MPIRE
ARMENIA
Caesarea
641
Amida
640
Ardabil
642
Azerbaijan
Nishapur
Khurasan
Merv
650
Balkh
652
Edessa
Jazira
Mosul
Nihāvand
641–2
Antioch
636
Syria
Homs
636
Jalūlā
638
Rayy 643
Hamadān
CALIPHATE
Herat
650
Kābul
Taxila
Iraq
Ctesiphon
Isfahan
Damascus
Kūfa
Qādisiyya 636
Ahwāz
Jerusalem 638
Fars
Kermān
Sistan
Mūltan
Basra
Istakhr
Kirmān
Sirjan
Sind
Aqaba
Dūmat al-Jandal
634
Ator
Makrān
Hijaz
Medina
Yamāma
633
Daybul
Oman
Mecca
630
RIA
Sibor
Najrān
Soba
Adulis
San'a
Yemen
Sennar
Axum
AXUM
Adan
N
W
E
S

Anglo-Saxons
Bretons
CAROLINGIAN EMPIRE
Poitiers 732
AQUITAINE
Narbonne 719–20
LOMBARDS
AVAR KHANATE
Constantinople
BYZANTINE
AL-ANDALUS 711–14
Toledo
Cordova
Sardinia
Sicily
Pantelleria
Carthage 698
Qayrawān 670
Crete
Ghazwat al-Sawārī
Battle of the Masts 655
Tangier 708
Subaytila 647
MUSLIM
Tripoli 647
Barqa 644
Alexandria 641
Babylon al-Fustāt 641
Ghadāmis
Egypt
Fazzan
Tibesti
Āïr
Dongola
Bornu-Kanem
Darfur

خلفائے بنوامیہ

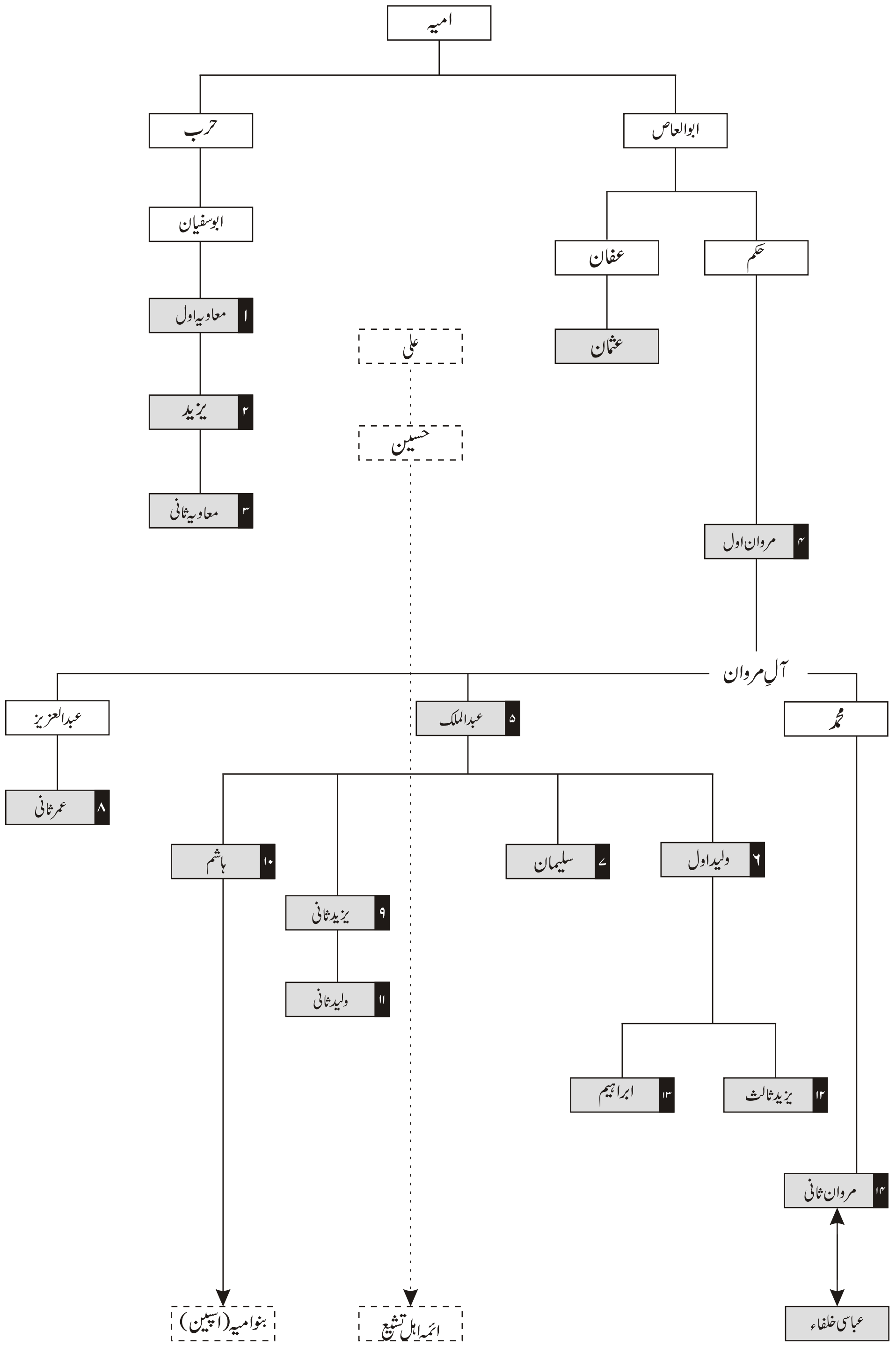

خلفائے آلِ عباس

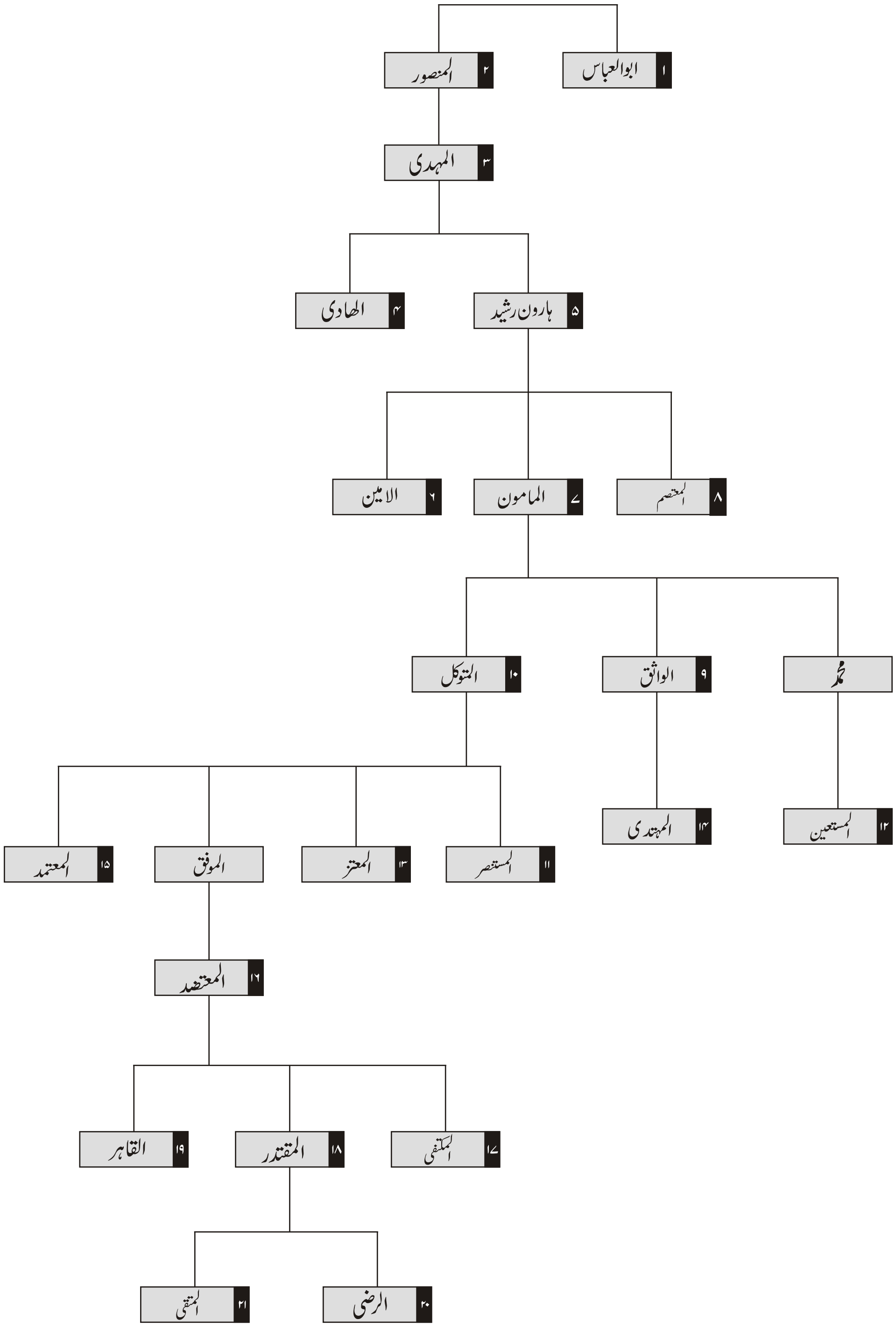

فاطمی خلفاء

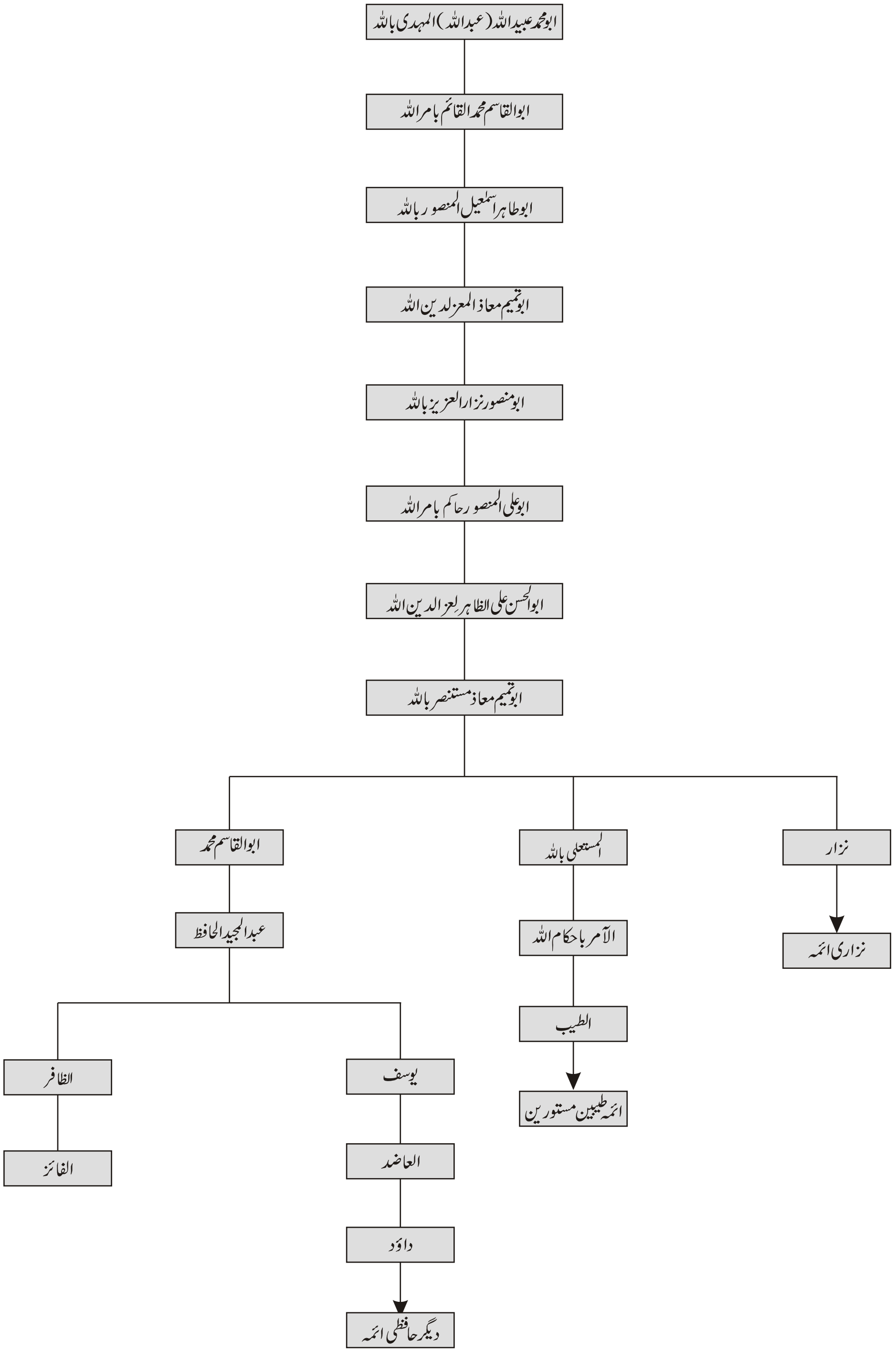
ابومحمد عبیداللہ (عبداللہ) المہدی باللہ
ابوالقاسم محمد القائم بامراللہ
ابوطاہر اسمٰعیل المنصور باللہ
ابوتمیم معاذ المعزلدین اللہ
ابومنصور نزار العزیز باللہ
ابوعلی المنصور حاکم بامراللہ
ابوالحسن علی الظاہر لعزالدین اللہ
ابوتمیم معاذ مستنصر باللہ
ابوالقاسم محمد
المستعلی باللہ
نزار
عبدالمجید الحافظ
الآمر باحکام اللہ
نزاری ائمہ
الطیب
ائمہ طیبین مستورین
الظافر
یوسف
الفائز
العاضد
داؤد
دیگر حافظی ائمہ

امارت وخلافت بنوامیہ (اندلس)

۷۵۶–۱۰۳۱

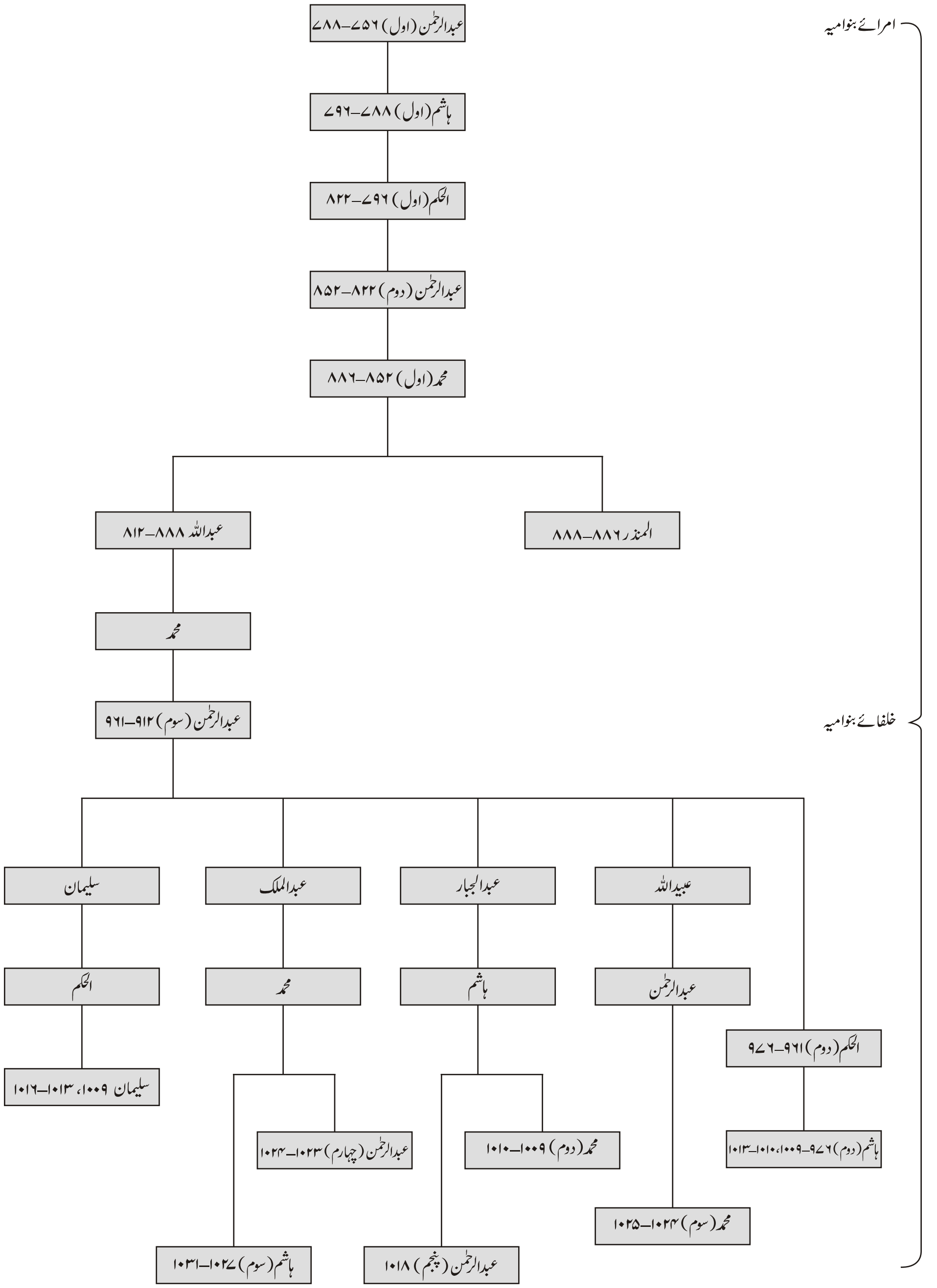

ابتدائے عہد کے فاطمی ائمہ

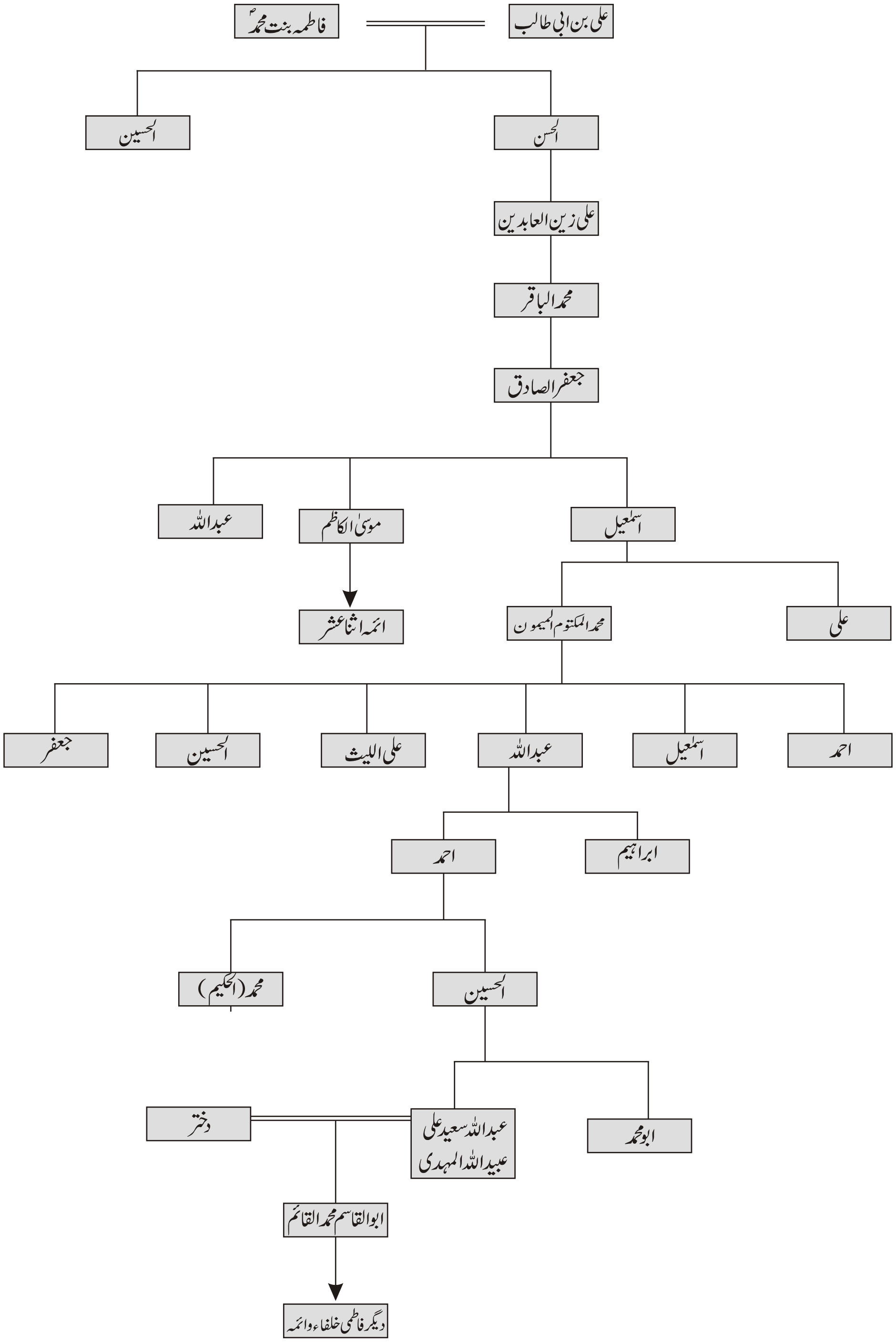

شیعی ائمہ کا شجرۂ نسب

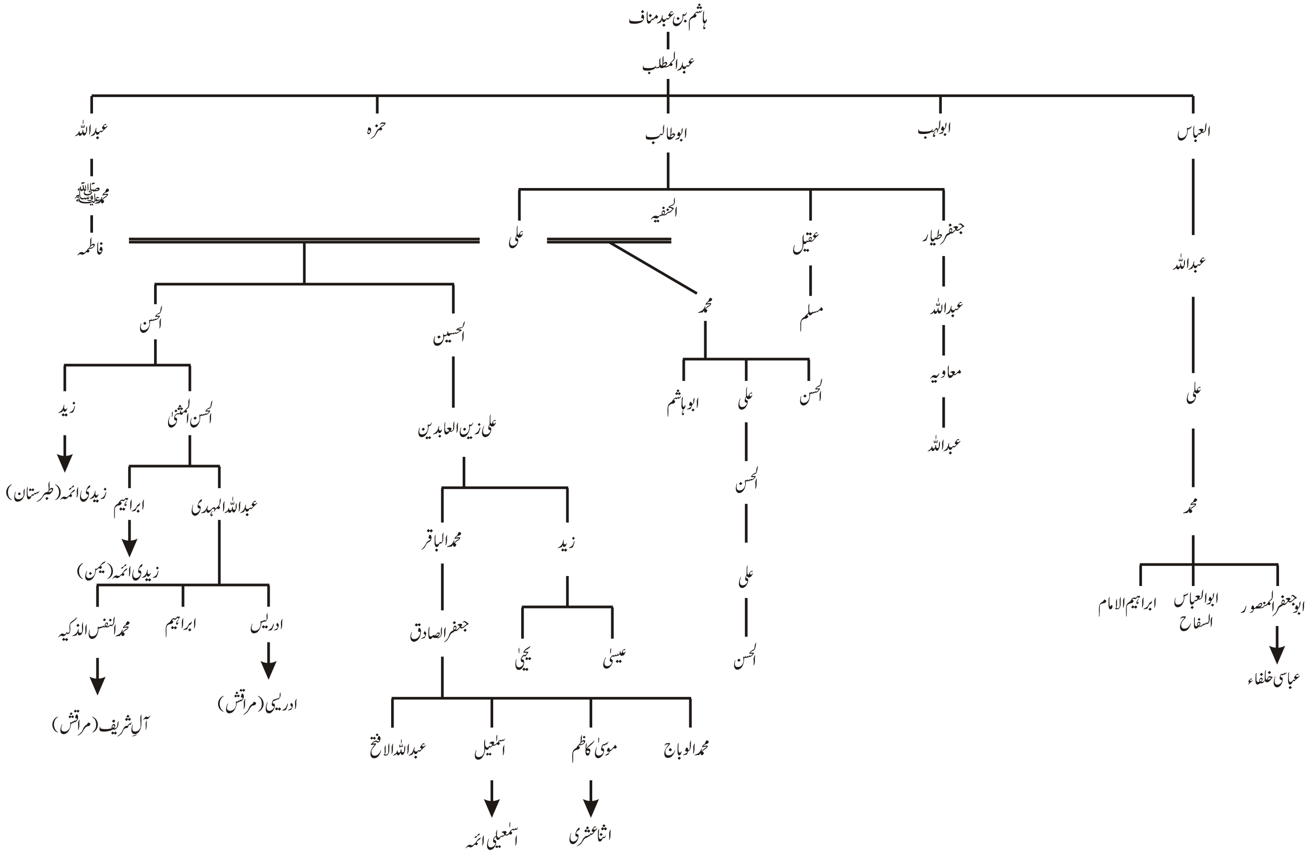

دنیا کے نقشے پر متبعین محمد ﷺ

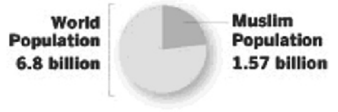

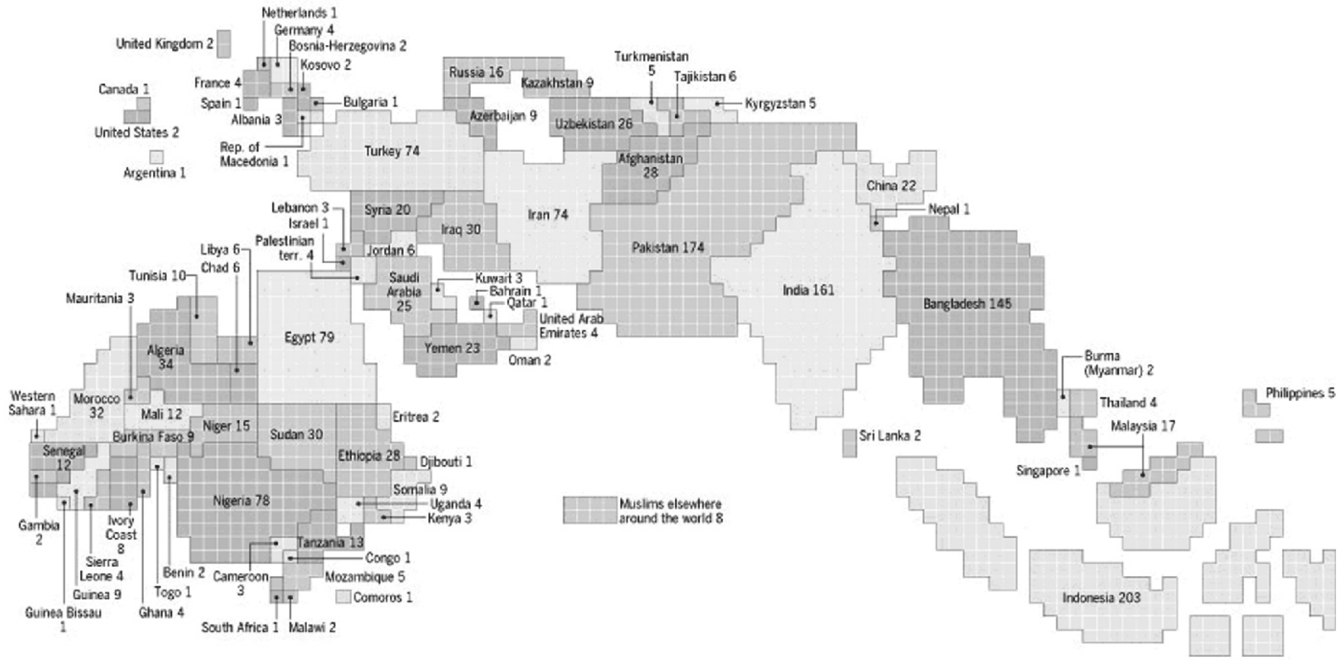

Pew Research Center's Forum on Religion & Public Life • *Mapping the Global Muslim Population, October 2009*